بسم اللہ الرحمن الرحیم

4/40 15918/122

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:۔

(۱) مدرسہ کے اندر جو زکوۃ صدقات عطیات آتے ہیں آیا مدرسہ انکو کاروبار میں لگا سکتا ہے یا نہیں کیونکہ اسکی احتیاج ہے۔ اور جو اس سے رقم حاصل ہو اسکو کہاں کہاں لگایا جا سکتا ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ رہا ہے اور اسکی آواز غیر شعوری طور پر گانوں کے مثل ہو جاتی ہے یہ کیسا ہے۔ جیسا کہ کوئی بندہ کسی نعت خوان کی طرز لگائے۔

(۳) ضمان الدرک اور ضمان الخسران میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ وضاحت سے بتائیے کہ کونسا جائز اور کونسا ناجائز ہے۔

(۴) اہلحدیث کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ جرابوں پر مسح کرتے ہیں۔ اور اسکا پرچار بھی کرتے ہیں۔ یہ اہلسنت میں داخل ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو وہ مسائل جنکے اندر یہ ائمہ اربعہ سے باہر نکل چکے ہیں وہ مسائل کیا حکم رکھتے ہیں۔

مدلل جوابات دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

دار الافتاء فتویٰ نمبر ۳/۱۴۳۴ مورخہ

والسلام

المستفتی: محمد سیف اللہ

اسلام آباد

(جوابات منسلک ہیں)

00012

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

(ا)۔۔۔مسجد ومدرسہ میں چندہ دینے والوں کا اصل مقصد چونکہ اس چندہ کو اس کے مصرف تک پہنچانا ہے لہٰذا اس چندہ کی رقم کو تجارت میں لگانا جائز نہیں ہے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے کیونکہ اس طرح کرنے سے چندہ کی رقم مصرف تک پہنچانے میں بلاوجہ تاخیر ہوگی، البتہ اگر چندہ کی رقم مسجد ومدرسہ کے فنڈ سے واقعۃً زائد ہو اور فی الحال اس کی کوئی ضرورت بھی نہ ہو تو پھر چند شرائط کے ساتھ اس زائد رقم کو تجارت میں لگانا جائز ہے وہ چند شرائط درج ذیل ہیں:

(الف)۔۔۔چندہ دینے والوں کی طرف سے مسجد ومدرسہ کے متولی کو اس کی اجازت ہو۔

(ب)۔۔۔مسجد ومدرسہ کی منتظمہ کمیٹی کی طرف سے بھی اس کی اجازت ہو اگر کمیٹی نہ ہو تو اس کے لئے الگ سے کوئی کمیٹی تشکیل دے کر اس کی منظوری لی گئی ہو۔

(ج)۔۔۔زائد رقم کاروبار میں لگانا مسجد ومدرسہ کے مفاد میں ہو یعنی اصل مقصد مسجد ومدرسہ کے مال میں اضافہ ہو یا مسجد ومدرسہ کی رقم ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا ہو، کسی ذاتی مقصد کے لئے نہ ہو۔

(د)۔۔۔زائد رقم ایسے کاروبار میں لگائی جائے جس میں نفع کا تقریباً یقین ہو۔

(ھ)۔۔۔جو زائد رقم تجارت میں لگائی جائے اس کا نفع مسجد ومدرسہ کی ضرورت اور مصالح ہی میں خرچ کیا جاتا ہو۔

(و)۔۔۔رقم اتنی مدت تک تجارت میں نہ لگائی جائے جس سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہو۔

مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ مسجد ومدرسہ کے فنڈ کو تجارت میں لگانا جائز ہے۔تاہم یہ بات واضح رہے کہ جب تک زکوۃ وصدقات واجبہ کی رقم کی شرعی تملیک نہ ہو جائے اس وقت تک ان کو تجارت میں لگانا جائز نہیں ہوگا اور اس طرح زکوۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔(ماخذہ تبویب بتصرف ۱۲۶۶:۲۶، فتاوی دارالعلوم دیوبند ۱۳۶:۶، ۱۶۲)

لمافي الاسعاف في احكام الاوقاف ص:٥٦

''ولواشتري المتولي بمافضل من غلة وقف المسجدحانوتااومستغلا آخرجاز لان هذامن مصالح المسجدفلوباعه اختلفوافيه والصحيح انه يجوز''

الفتاوى الهندية – (٥ / ٣٢٠)

وسئل الخجندي عن قيم المسجد يبيح فناء المسجد ليتجر القوم هل له هذه الإباحة فقال إذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس به إن شاء الله تعالى قيل له لو وضع في الفناء سررا فآجرها الناس ليتجروا عليها وأباح لهم فناء

(جاری ہے)

00013

ذلك المسجد هل له ذلك فقال لو كان لصلاح المسجد فلا بأس بـــه إذا لم يكن مما للعامة

البحر الرائق – (٥ / ٢٦٩)

قيم يبيح فناء المسجد ليتجر فيه القوم أو يضع فيه سررا أحرها ليتجر فيهـــا الناس فلا بأس إذا كان لصلاح المسجد

الفتاوى الهندية – (٢ / ٤١٧)

متولي المسجد إذا اشترى بمال المسجد حانوتا أو دارا ثم باعهـــا جـــاز إذا كانت له ولاية الشراء

البحر الرائق – (٥ / ٢٣٣)

لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في اســـتئجار بيوتهـــا وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل كان للقيّم أن يبني فيهـــا بيوتـــا فيؤاجرها لأن الاستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء كذا في الخانية

الفتاوى الهندية – (٢ / ٤٦٢)

القيم إذا اشترى من غلة المسجد حانوتا أو دارا وأراد أن يستغل ويباع عند الحاجة جاز إن كان له ولاية الشراء وإذا جاز أن يبيعه كذا في السراجية

المحيط البرهاني للإمام برهان الدين ابن مازة – (٥ / ٧٣٨)

وإن أراد أن يبني فيها بيوتا يصلها بالإجارة فهذه المسألة في الحاصل علـــى وجهين: إن كانت أرض الوقف متصلة ببيوت المصر يرغب في اســـتئجار بيوتها ويكون غلة ذلك فوق غلة الأرض والنخل كان له ذلك، وإن كـــان أرض الوقف بعيداً عن المصر، ولا يرغب في استئجار بيوتها بـــأجرة تزيـــد منفعتها علي منفعة الزراعة فليس له ذلك والوجه في ذلك أن الواقف مـــا عين جهة الاستغلال نصاً لكن عين الاستغلال بالزراعة فيجب العمل بهـــذا الظاهر ما لم يوجد جهة أخرى في حق الفقراء؛ لأنا نعلم قطعاً أن غـــرض الواقف من الوقف إنفاع الفقراء، ففي الوجه الأول وجدنا جهة أخرى هي أنفع في حق الفقراء من الزراعة، فتركنا هذا الظاهر تحصيلاً لغرض الواقف بأبلغ الوجوه

الدر المختار – (٤ / ٤١٦)

(اشترى المتولي بمال الوقف دارا) للوقف(لا تلحق بالمنازل الموقوفة ويجوز بيعها في الأصح)

(جاری ہے ۔۔۔)

10014

حاشية ابن عابدين – (٤ / ٤١٦)

قوله (اشترى بمال الوقف) أي بغلة الوقف كما عبر به في الخانيةعن القنية إنما يجوز الشراء بإذن القاضي لأنه لا يستفاد الشراء من مجرد تفويض القوامة إليه فلو استدان في ثمنه وقع الشراء له قلت لكن في التاترخانية قال الفقيه ينبغي أن يكون ذلك بأمر الحاكم احتياطا في موضع الخلاف قوله (ويجوز بيعها في الأصح) في البزازية بعد ذكر ما تقدم وذكر أبو الليث في الاستحسان يصير وقفا وهذا صريح في أنه المختار ا هـ رملي قلت وفي التارخانية المختار أنه يجوز بيعها إن احتاجوا إليه

حاشية ابن عابدين – (٤ / ٣٦٤)

وعن الأنصاري وكان من أصحاب زفر فيمن وقف الدراهم أو ما يكال أو ما يوزن أيجوز ذلك قال نعم قيل وكيف قال يدفع الدراهم مضاربة ثم يتصدق بها في الوجه الذي وقف عليه وما يكال أو يوزن يباع ويدفع ثمنه لمضاربة أو بضاعة—وكذا يفعل في وقف الدراهم والدنانير وما خرج من الربح يتصدق به في جهة الوقف

التفسير المظهري – (١ / ٢١٥٦)

ولا تقربوا مال اليتيم فضلا ان تتصرفوا فيه إلا بالتي أى بالطريقة التي هي أحسن الطرق من محافظة مال اليتيم والتجارة فيه لاجله

الدر المختار – (٦ / ٦٩٨)

وفي جامع الفصولين المتولي على الوقف كالوصي

الدر المختار – (٤ / ٤٥٠)

ليس للمتولي أخذ زيادة على ما قرر له الواقف أصلا ويجب صرف جميع ما يحصل من نماء وعوائد شرعية وعرفية لمصارف الوقف الشرعية

الدر المختار – (٦ / ٢٠٠)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه

تكملة حاشية رد المحتار – (٢ / ٥١٦)

المودع أو المستعير أو المضارب — أو المتولي ... إذا ادعى الهلاك بغير تعد أو ادعى الرد إلى صاحبها يصدق مع يمينه لان كل واحد منهم أمين—

البحر الرائق – (٥ / ٢٦٣)

وأما بيان ما عليه من العمل فحاصل ما ذكره الخصاف أن ما يجعله الواقف للمتولي ليس له حد معين وإنما هو على ما تعارفه الناس من الجعل عند

(جاری ہے ...)

عقدة الواقف ليقوم بمصالحه من عمارة واستغلال وبيع غلات وصرف ما اجتمع عنده فيما شرطه الواقف ولا يكلف من العمل بنفسه إلا مثل ما يفعله أمثاله ولا ينبغي له أن يقصر عنه

حاشية ابن عابدين – (٦ / ٣١)

وإنما يحل للمتولي الإذن فيما يزيد به الوقف خيرا

احكام الاوقاف ص:١٣٣

"قلت فان باع الارض وقبض الثمن فضاع؟ قال فلاضمان عليه من قبل انه في يده على الامانة

الاسعاف ص:٤٩

ولو لم يشرط لنفسه ولاية عزل المتولي ليس له عزله من ماسلمهااليه عندابي عندمحمدلكونه قائم مقام اهل الوقف وعندابى يوسف هووكيله فله عزله وان شرط على نفسه عدم العزل ـــ

حاشية ابن عابدين – (٤ / ٤٢٧)

قوله (للواقف عزل الناظر مطلقا) أي سواء كان بجنحة أو لا وسواء كان شرط له العزل أو لا وهذا عند أبي يوسف لأنه وكيل عنه وخالفه محمد كما في البحر أي لأنه وكيل الفقراء عنده

البحر الرائق – (٥ / ٢١٢)

فالحاصل أن الترجيح قد اختلف والأخذ بقول أبي يوسف أحوط وأسهل ولذا قال في المحيط ومشايخنا أخذوا بقول أبي يوسف ترغيبا للناس في الوقف

احكام الاوقاف للخصاف،ص:٢٣

قلت:ولم جعلت للواقف ان يبيع ذلك وانمااشترطه لوالى الصدقة؟ قال من قبل ان واليها انماهووكيل الواقف فى حياة الواقف ووصى له بعدموته اذاكان قدجعل اليه ولاية هذه الصدقة فى حياته وبعدمماته الاترى ان للواقف اخراج هذاالوالى مماجعل اليه والاستبدال به فاشتراطه لوكالته او لوصيه منه لنفسه

وفى شرح الحموي علي الاشباه والنظائر – (١ / ٣٣٣)

لو طالب القيم أهل المحلة أن يقرض من مال المسجد للإمام فأقرضه القاضي فأقرضه ثم مات الإمام مفلسا لا يضمن انتهى مع أن القيم ليس له

(جاری ہے ۔۔۔)

00016

إقراض مال المسجد ولكن سيأتي في كتاب القضاء من هذا الكتاب أن ما في القنية لا ينافي ما هنا عن الولوالجية لأن الناظر لا يضمن ما أقرضه بإذن القاضي

(۲)۔۔۔حمد ونعت اور نظم وغیرہ کے اشعار پڑھنے میں خوش آوازی اور حسنِ صوت مطلوب ہے اس مقصد کے لئے آواز میں مناسب اتار چڑھاؤ اور ترنم شرعاً مباح ہے، اور اگر غیر اختیاری طور پر بغیر آلاتِ موسیقی اور قصداً گانے کی طرز بنائے حمد ونعت وغیرہ کے اشعار پڑھتے ہوئے آواز کو خوبصورت کرنے میں گانے کی طرز بن جائے یا اس کے مشابہ ہو جائے تو فی نفسہ جائز ہے لیکن گانے کے ساتھ مشابہت سے بچنا بہر حال بہتر ہے۔

لیکن جان بوجھ کر اپنے ارادہ اور اختیار سے حمدیہ یا نعتیہ اشعار میں آواز کا اتار چڑھاؤ اور لہرانے کو ناجائز گانے کے طرز پر بنانا اور پڑھنا جائز نہیں، اور حمد ونعت کو قصداً موسیقی کی دھن پر یا گانے کی طرز پر پڑھنا اس کے ساتھ بے ادبی ہے اور ممنوعہ امور کی مشابہت اختیار کرنے کے ساتھ تشبہ بالفساق بھی ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں۔ (ماخذہ التبویب ۸۸:۵۲۲)

الفتاوى الهندية – (٥ / ٣٥١)

لا بأس بأن يتغنى ليستفيد به نظم القوافي والفصاحة ومنهم من قال يجوز التغني لدفع الوحشة إذا كان وحده ولا يكون على سبيل اللهو وإليه مال شمس الأئمة السرخسي ولو كان في الشعر حكم أو عبر أو فقه لا يكره

حاشية ابن عابدين – (٦ / ٣٤٨)

وقيل إن تغنى ليستفيد نظم القوافي ويصير فصيح اللسان لا بأس به

(۳)۔۔۔ضمان الدرک اور ضمان الخسران کے درمیان فرق کی وضاحت سے پہلے دونوں کی تعریف ملاحظہ فرمائیں:

ضمان الدرک کی تعریف یہ ہے کہ مبیع میں اگر کوئی مستحق نکل آئے تو اس کا ثمن مشتری کو واپس کرنے کا کفیل (ضامن) بننا، مثلاً زید، مشتری عمرو کو کہے کہ یہ زمین جو تم بائع بکر سے خرید رہے ہو اگر اس میں کوئی مستحق نکل آیا تو اس کا ثمن لوٹانے کا میں ضامن ہوں گا۔

اور ضمان الخسران کی تعریف یہ ہے کہ نقصان کا ضامن بننا اور یہ دو صورتوں میں ہوتا ہے، بیع وشراء میں اور شرکت میں، مثلاً زید، عمرو کو کہے کہ تم بکر سے خرید وفروخت کرو یا شرکت کا معاملہ کرو، تمہیں اس میں جو نقصان ہو گا اس کا میں ضامن ہوں گا۔

(جاری ہے۔۔۔)

ضمان الدرک اور ضمان الخسران کی تعریف کے بعد ان دونوں کے درمیان فرق کی وضاحت یہ ہے کہ ضمان الدرک بالاجماع جائز ہے، چاروں ائمہ اس کے جواز پر متفق ہیں، البتہ اس کا جواز خلافِ قیاس ہے، کیونکہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ضمان الدرک جائز نہ ہو، کیونکہ یہ بات مجہول ہے کہ کوئی مستحق نکلے گا یا نہیں، یا اگر مستحق نکلا تو کتنی مقدار کا مستحق نکلے گا؟ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ضمان دین کے بدلے میں لیا جاتا ہے جبکہ ضمان الدرک میں بائع مشتری سے مبیع کا ثمن وصول کر چکا ہوتا ہے، لہٰذا یہاں کوئی چیز دین نہیں ہے کہ جس کا کفیل بنا جائے، لیکن لوگوں کو اجنبی لوگوں سے معاملات کرتے وقت کسی ضمانت کی ضرورت پڑتی ہے اور مبیع میں مستحق نکل آنے کا خطرہ بھی ہوتا ہے اس وجہ سے اس کی ضرورت ہے، اور اس کا جواز بالاجماع ثابت ہے، اس لئے یہ جائز ہے۔

اور ضمان الخسران کے بارے میں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وہ جائز نہیں ہے، اور اس کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ کفالت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس چیز کا ضمان لیا جائے وہ ایسی ہو کہ مکفول عنہ (جس شخص کی طرف سے کفالت کی گئی ہے) پر بھی اس کا ضمان لازم ہو اور اس کو اس کے ادا کرنے پر مجبور کیا جا سکے اور وہ دینِ صحیح ہو، دینِ صحیح کا مطلب یہ ہے کہ صرف ادا کرنے سے ذمہ سے ساقط ہو یا دائن کے بری کرنے سے ذمہ سے ساقط ہو۔ جب کہ ضمان الخسران میں اگر نقصان ہو جائے تو خرید و فروخت کا معاملہ ہو یا شرکت کا دونوں صورتوں میں مکفول عنہ پر اس کا ضمان ہی لازم ہی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ضمان الخسران جائز نہیں ہے۔

البتہ یہ بات واضح رہے کہ ضمان الخسران کے جائز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خسارے کا ضمان کفیل پر قضاء لازم نہیں ہوگا، لہٰذا مکفول لہ (جس شخص کو کفالت دی گئی ہے) کو عدالت کے ذریعہ کفیل سے اس نقصان کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہوگا، البتہ اگر کفیل ہونے والے نقصان کو اپنے وعدہ کی وجہ سے رضاکارانہ طور پر ادا کردے تو مکفول لہ کے لئے اس رقم کو لینا جائز ہوگا، البتہ قاضی کفیل کو کفالت بالدرک کی طرح نقصان برداشت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

الفتاوى الهندية – (٣ / ٢٥٤)

القسم الرابع ما يرجع إلى المكفول به فمنه أن يكون مضمونا على الأصيل بحيث يجبر الأصيل على تسليمه كذا في الذخيرة فتجوز الكفالة بتسليم المبيع وبالديون والأعيان المضمونة كالمغصوب والمهور في يد الزوج وبدل الخلع في يد المرأة وبدل الصلح عن دم العمد والمبيع بيعا فاسدا هكذا في التبيين وتجوز الكفالة بالمقبوض على سوم الشراء إن كان الثمن مسمى وإلا فهو أمانة هكذا في النهر الرائق ولا تجوز الكفالة بالأمانات كالودائع وأموال

دار الافتاء

(جاری ہے۔۔۔)

المضاربات والشركات لأن هذه الأشياء غير مضمونة لا عينها ولا تسليمها كذا في الذخيرة وكذا بعين المرهون والمستعار والمستأجر هكذا في الكافي

الأشباه والنظائر لابن نجيم – (١ / ٢١٧)

لا تصح الكفالة إلا بدين صحيح ، وهو ما لا يسقط إلا بالأداء أو الإبراء فلا تصح بغيره كبدل الكتابة

الأشباه والنظائر للسيوطي – (١ / ٨٨)

ومنها ضمان الدرك جوز على خلاف القياس إذ البائع إذا باع ملك نفسه ليس ما أخذه من الثمن دينا عليه حتى يضمن لكن لاحتياج الناس إلى معاملة من لا يعرفونه ولا يؤمن خروج المبيع مستحقا

قواعد الفقه – (١ / ٣٥٩)

ضمان الدرك * هو الضمان برد الثمن للمشتري عند استحقاق المبيع بأن يقول تكلفت بما يدركك في هذا المبيع

تبيين الحقائق – (٤ / ١٥٣)

وعلى الكفالة بالدرك انعقد الإجماع مع أنه لا يعلم كم قدر ما يستحق من البيع وكفى به حجة

حاشية ابن عابدين – (٥ / ٣٢٦)

قوله (لأنه إنما ضمان الخسران) أي نظرا إلى قوله علي فإنما للوجوب فلا يجوز كما إذا قال لرجل بايع في السوق فما خسرت فعلي

درر الحكام شرح مجلة الأحكام – (١ / ٦٦١)

وجاء في المجلة (أنا كفيل بثمن ما تبيعه من فلان إلخ) لأن ضمان الخسران باطل . مثلا لو قال أحد لآخر خذ وأعط مع فلان أي تبايع معه فأنا ضامن لكل خسارة تلحقك فلا يصح الضمان (رد المحتار) لأن هذه الخسارة ليست بمضمونة على الأصيل

شرح فتح القدير – (٧ / ٢١٢)

وضمان الخسران باطل لأن الضمان لا يكون إلا بمضمون والخسران غير مضمون على أحد حتى لو قال بايع في السوق علّي أن كل خسران يلحقك فعلي أو قال لمشتري العبد إن أبق عبدك هذا فعلي لا يصح

(جاری ہے ---)

شرح فتح القدير – (٧ / ١٨١)

وعلى ضمان الدرك إجماع وضمان الدرك أن يقول للمشتري أنا ضامن للثمن إن استحق المبيع أحد مع جواز أن يظهر استحقاق بعضه أو كله وقد نقل نص الشافعي رضي الله عنه على جواز ضمان الدرك

حاشية ابن عابدين – (٥ / ٣٢٨)

قوله (كفالته بالدرك) هو ضمان الثمن عند استحقاق المبيع كما مر

الهداية شرح البداية – (٣ / ٩٠)

والإجماع منعقد على صحة ضمان الدرك

الأشباه والنظائر (١ / ١١٤)

ومنها : ضمان الدرك جوز على خلاف القياس

البحر الرائق – (٦ / ٢٥٦)

وضمان الخسران باطل لأن الضمان لا يكون إلا بمضمون والخسران غير مضمون كما لو قال بايع في السوق على أن كل خسران يلحقك فعلي أو قال لمشتري العبد إن أبق عبدك فعلي لم يصح

درر الحكام شرح مجلة الأحكام – (١ / ٦٦١)

ضمان الخسران باطل . مثلا لو قال أحد لآخر خذ وأعط مع فلان أي تبايع معه فأنا ضامن لكل خسارة تلحقك فلا يصح الضمان (رد المحتار) لأن هذه الخسارة ليست بمضمونة على الأصيل

تنقيح الفتاوى الحامدية – (٣ / ٣٣٨)

(سئل) فيما إذا اشترى زيد مقدارا معلوما من البصل من عمرو ثم خسر فيه ويريد الرجوع على عمرو للبائع بما خسره زاعما أنه ضمن له ذلك فهل يكون ضمان الخسران باطلا ؟ (الجواب) : نعم ؛ لأنه إما ضامن لما يخسره كما قال بعضهم نظرا إلى قوله علي ؛ لأنها للوجوب فلا يجوز كما لو قال لرجل بايع في السوق فما خسرت فعلي إلخ زيلعي من الكفالة وفي شرح التنوير للعلائي ؛ لأنه إما ضمان الخسران أو توكيل بمجهول وذلك باطل ا هـ وهذا ملخص ما في الزيلعي وغيره ومسألة بايع في السوق صرح بها في الخانية بقوله رجل قال لآخر بايع فلانا على أن ما أصابك من خسران فهو علي لا تصح الكفالة

(جاري ...)

00020

بحوث في قضايافقهية معاصرة(١:٢٣١)

''ولكن عدم صحة الكفالة في هذه الامورانمايعني ان المبلغ المكفول به لايلزم الكفيل قضاء فلايجوزللمكفول له ان يطالب به الكفيل في محكمة ولكن التزام الطرف الثالث باداء هذاالمبلغ يمكن ان يعتبركوعدمحض يلزمه الوفاء به ديانة لاقضاء فلووفي الطرف الثالث بوعده وتبرع بالمبلغ جاز لحامل السندان ياخذه ولكن لاينفذالقاضي التزامه ككفالة''

الذخيرة – (١٠ / ٣٥٣)

وضمان الدرك في صحة المبيع حيث يوجبه الشرع الشريف ويقتضيه حكمه المنيف

الحاوي في فقه الشافعي – (٧ / ٨١)

مسألة : قال الشافعي – رضي الله عنه – : " ولو ضمن له عهدة دار اشتراها وخلاصها واستحقت فما الحكم رجع بالثمن على الضامن إن شاء " . قال الماوردي : وهذا كما قال : ضمان درك البيع جائز وهو الرجوع بالثمن عند استحقاقه

المبدع شرح المقنع – (٤ / ١٠٢)

فجاز على حق يحدث في المستقبل كضمان الدرك

المغني – ابن قدامة – (٤ / ٤٩٨)

فجاز انعقادها على شيء يحدث في المستقبل كضمان الدرك

(۴)۔۔۔صورتِ مسئولہ میں اگر واقعۃ آپ نے کسی اہلحدیث کو جرابوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہو تو اس حالت میں آپ کے لئے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

اور اہلِ حدیث اہلِ سنت والجماعت میں داخل ہیں، البتہ وہ شخص جو جمہور مسلمانوں کے عقائد سے مخالفت کرتا ہو یا متفق علیہ مسائل میں مخالفت یا سلف صالحین کی شان میں گستاخی اور زبان درازی کرتا ہو تو وہ شخص اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔(ماخذہ التبویب، ۱۲۵: ۱۴۱د)

الدر المختار – (١ / ٥٦٣)

إن تيقن المراعاة لم يكره أو عدمها لم يصح إن شك كره

(جاری ہے)

حاشية ابن عابدين – (١ / ٥٦٣)

وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع إنما اختلف في الكراهة اهـ فقيد بالمفسد دون غيره كما ترى وفي رسالة (الاهتداء في الاقتداء) لملا علي القاري ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف وإلا فلا

والمعنى أنه يجوز في المراعى بلا كراهة وفي غيره معها ثم المواضع المهمة للمراعاة أن يتوضأ من الفصد والحجامة والقيء والرعاف ونحو ذلك لا فيما هو سنة عنده مكروه عندنا كرفع اليدين في الانتقالات وجهر البسملة وإخفائها فهذا وأمثاله لا يمكن فيه الخروج عن عهدة الخلاف فكلهم يتبع مذهبه ولا يمنع مشربه اهـ وفي حاشية الأشباه للخير الرملي الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد ا

اصول الافتاء للشيخ تقي العثماني ص:٨١

"نعم ان الرجل الذي يخالف جمهورالمسلمين في عقائدهم اوفي المسائل المجمع عليهااويطيل لسانه في جناب السلف الصالحين فانه خارج عن اهل السنة والجماعة لان اهل السنة والجماعة هم الذين يسلكون طريق الصحابة وان هذه الامورمخالفة لعقائدهم.نكان الرجل خارجاعن اهل السنة والجماعة وداخلافي اهل البدع والهوي" ---------- واللہ اعلم بالصواب

محمد رضوان جیلانی

محمد رضوان جیلانی عفا اللہ عنہ
دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی
یکم جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ
۲۵ مارچ ۲۰۱۲ء

الجواب صحیح
اصغر علی ربانی
۱ جمادی الاولی ۱۴۳۳

الجواب صحیح
محمد یعقوب غفا اللہ عنہ
۱/۵/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفر اللہ
۱۵/۵/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
منیہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲-۵-۱۴۳۳ھ

مفتی

دار الافتاء
فتویٰ نمبر ۳/۱۴۳۴
مورخہ ۱۷/۵/۱۴۳۳ھ
۱۰/۴/۲۰۱۲ء

مفتی